حسینؑ کی عظمت

فخرِ وطن جناب سید کلب مصطفی صاحب ایڈوکیٹ

انسان کی عظمت دراصل اس کی نسلی حیثیت، وراثتی خصوصیت، تعلیم وتربیت، ماحول ومعاشرت اور قول وعمل کے امتزاج کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ان عناصر میں سے ہر ایک کسی نہ کسی حد تک انسان کی عظمت کے درجات معین کرنے اور اس کی بلندیوں کو بڑھانے یا گھٹانے کا سبب ہوتا ہے۔ مگر جب تک اور عناصر بھی موجود نہ ہوں صرف ایک ہی عنصر معیار فضیلت انسانی نہیں بن سکتا۔ ہوسکتا ہے کہ ایک پڑھا لکھا شخص برا اور ایک جاہل اچھا ہو اور یہ بھی لازم نہیں ہے کہ اچھے والدین کی اولاد بھی اچھی ہو یا برے ماں باپ کے بچے برے ہی ہوں۔ اسی طرح بعض طینتیں تربیت کا اچھا اثر لیتی ہیں اور بعض اُلٹا البتہ قول وعمل انسانوں کی عزت کو بڑھانے یا گھٹانے کے لئے موثر آلات ہیں۔ انسان اپنے اقوال واعمال سے تعلیم وتربیت اور وراثتی آئینے پر جلا بھی کرسکتا ہے اور اس کو دھندلا بھی۔ نیک پیدا ہوکر بد بن سکتا ہے اور بروں کی آغوش میں پرورش پا کر اپنے گفتار وکردار کی بدولت اچھا بھی ہوسکتا ہے۔ لیکن جس میں جوہر ذاتی بھی ہو اور وصف اضافی بھی، تعلیم بھی بے نظیر ہو اور تربیت بھی تو پھر وہ ہیرا ہی نکلے گا اور حسینؑ ایسے ہی تھے۔

عرب کے بہترین اور معزز ترین خاندان میں ہجرت کے چوتھے سال تیسری شعبان پنجشنبہ کے دن آپ کی ولادت ہوئی۔ آپ رسولؐ خدا محمد مصطفی کی باعزت بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ اور محافظ اسلام حضرت علی ابن ابی طالبؑ کے صاحبزادے تھے۔ نانا وہ جس نے انسانیت کو پیغام اسلام سنا کر زنگ آلودہ دماغوں کی جلا کی اور لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ کا نعرہ بلند کر کے مصنوعی خداؤں کی تکذیب صریح کردی جس نے عزم واستقلال اور صبر ورضا کی مشکل منزلوں کو آسانی سے طے کیا اور جس نے قابو پا کر بھی دشمن پر سختی نہ کی، جو مجسمۂ اخلاق، پیکر حلم ومروت، عین حق اور مظہر رحم وانصاف تھا۔ دادا وہ جس نے پیغمبرؐ اسلام کی حفاظت کے مقابلے میں اپنی اولاد کی جانوں تک کی پروا نہ کی اور جس نے رہتی دنیا تک حق گوئی، حق دوستی اور یتیم پروری کا سکہ دلوں پر بٹھا دیا۔

ماں وہ جس کی تعظیم خود رسولؐ خدا کرتے تھے اور جن کے اعمال وکردار عورتوں کے لئے معاشرت یا تدبیر منزل کے منارے بنے ہوئے ہیں۔ حسینؑ کی ماں اس خاتون کی لخت جگر تھیں جس نے شجر اسلام کی آبیاری اور نشوونما میں کسی دوسرے سے کم حصہ نہیں لیا اور جو اس وقت رسالت کی گواہ بنی جب دنیا رسولؐ کو جھٹلا رہی تھی۔

باپ وہ جس کی تلوار کا احسان اسلام کی گردن پر ہے جس نے اسلامی غزوات میں سے دو ایک کے علاوہ سب ہی میں شرکت کی اور سب ہی کو سر کیا۔ جس نے راہ حق میں جاں فروشی وجاں سپاری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ جس نے خود رسولؐ اسلام کی آغوش میں تربیت پائی تھی اور جو نہ صرف شجاع

بلکہ رسولؐ کے بعد اعلیٰ ترین ادیب، حکیم، فلسفی اور مدبر تھا۔

ایسے ماحول، ایسے خاندان اور ایسے نانا اور ماں باپ کے گھر پیدا ہونا ہی حسینؑ کی بلندیٔ عظمت کے لئے کافی تھا چہ جائے کہ سینتیس سال تک یکے بعد دیگرے جو آغوش تربیت بھی ملی اسے نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہی کہہ سکتے ہیں۔ سب سے زیادہ مدت علیؑ جیسے یگانۂ روزگار اور مظہر پروردگار کے زیر تربیت گذری اور تربیت بھی کیسی، جنگ کی بھی اور صلح کی بھی۔ فاقہ کشی کی بھی اور حق کوشی کی بھی۔ علم کا پھریرا بھی کھلتے دیکھا اور گلے میں رسیاں بندھتے بھی۔ ماں کو نانا کی وفات کے بعد ایذا پہنچتے بھی دیکھا اور باپ کے ساتھ ناقابل برداشت بدسلوکی بھی۔ علمی مسائل کی گتھیوں کو سلجھتے ہوئے بھی دیکھا اور اسلامی مسائل کو علیؑ کی مدد کے بغیر اُلجھتے ہوئے بھی۔ یہاں تک کہ ۴۰ھ میں باپ کا سایہ اُٹھ گیا۔ تو خلافت کو سلطنت بنتے بھائی کو مصالحت کرتے، لگن میں بھائی کے جگر ٹکڑے کٹ کٹ کے گرتے اور انجام کار بھائی کے جنازے پر تیر برستے بھی دیکھے اور ایسے عالم میں دیکھے کہ شجاعت ارثی میں بلا کا تموج تھا۔ لیکن بھائی کی صلح جو سرشت کے لحاظ اور شر و فساد سے بچاؤ کے خیال سے باوصف امکان مدافعت تک نہ فرمائی اور بھائی کے جنازے کے رُخ کو روضۂ رسولؐ سے جنت البقیع کی طرف موڑ دیا۔ اس طرح بھائی کی شہادت کے وقت یعنی تقریباً چھیالیس سینتالیس برس تک حسینؑ نے بہت سے نشیب و فراز دیکھ لئے تھے اور جنگ صفین و جمل اور صلح حسنؑ سے بڑے بڑے سبق لے چکے تھے۔ اس کے بعد دس برس کی طویل مدت تک محض عبادت و ریاضت میں بسر کرنا اور ایسے قنوت [۱] اور اشعار [۲] کا ورد رکھنا جن سے انتہائے عبودیت کا پتہ چلتا ہو بجائے خود عظمت حسینؑ کی روشن دلیلیں ہیں۔ اگر حسینؑ کا صرف یہی عمل ہم تک پہنچتا تو واقعی ہم اس کو ایک مہتم بالشان کارنامہ سمجھتے۔ مگر حسینؑ نے تو کردار کا وہ مظاہرہ کیا کہ اس کے سامنے سارے مظاہرے ماند پڑ گئے۔ حسینؑ نے اپنی سیرت کو ایثار و قربانی کے سانچے میں ڈھال دیا تھا۔ ان کی سیرت میں دلوں میں لرزہ ڈال دینے والا فداکاری و سرفروشی کا جذبہ اس قدر نمایاں طور پر مہیا ہو گیا تھا کہ اس کے مقابلے میں دنیوی حکومت اور اقتدار سب ہیچ نظر آتے تھے ان کی زندگی عبدیت خالص کی مکمل تفسیر تھی۔ اور غیر خدا کا کوئی دور کا بھی تصور ان کے ذہن و خیال میں نظر نہیں آتا۔

خدا کی طرف ان کے اس قدر مکمل کھچاؤ، دل و دماغ کا انتہائی جھکاؤ، تسلیم و رضا سے محیر العقول لگاؤ ماسوا المعبود سے کامل بے نیازی کے مشاہدے کے بعد بارگاہ حسن میں امکان کہاں تھا کہ کوئی دوسرا مدعی عشق باریاب ہو خواہ وہ کیسا ہی صاحب جبروت اور کتنی ہی قوت و طاقت کا مالک کیوں نہ ہو۔

خدا کی ربوبیت کے اس شدید احساس کے بعد ایسا بلند کردار اور صلح پسند انسان اپنی حق تلفی کو برداشت کرسکتا ہے۔ ایک غاصب بادشاہ کی انفرادی بے راہ روی اس کی شراب خواری اور اس کی حرام کاری سے غض بصر کرسکتا ہے لیکن نہیں کرسکتا تو یہ کہ انسان کو انسان کا رب مانے اور انسان پر کسی انسان کی خدائی کے قیام پر راضی ہو جائے۔

صورت حال زبان وضمیر کی آزادی کے اس فطری بنیادی حق کے لئے پیام اجل ہے جس کے بغیر انسان انسان نہیں رہ جاتا۔کارخداوندی کے انجام دہی کے لئے جس علم کی ضرورت ہے اور جو بے غرضی، بے لوثی اور بے نیازی درکار ہے وہ عام انسانوں میں کہاں ہوسکتی ہے۔ اسی لئے انسانوں کے خدا بننے کا لازمی نتیجہ مطلق العنانی اور ظلم کا دور دورہ ہوتا ہے۔ وہ تو خدا بننے کا شوق ہی مطلق العنانی کے جذبے سے پیدا ہوتا ہے تو اب ظاہر ہے کہ انسانی مطلق العنان کی خدائی میں ضعیف کو کسمپرسی اور بے موت مرنے کے سوا اور کیا میسر ہوسکتا ہے۔

اس میں نہ تو بے لوثی ہوتی ہے نہ بے غرضی، نہ بے نیازی ہوتی ہے نہ صدق آگینی بلکہ کسی نہ کسی عنوان سے ظلم وعدوان، بے اعتدالی، بے راہ روی، غلط نگاہی، ناہمواری، ناحق اندیشی، مصلحت بینی، قابو پرستی اور نہ معلوم اور کتنی انسانی کمزوریاں عجیب عجیب عنوان سے دیکھنے میں آتی ہیں۔ نتیجہ میں انسانی جسم اعمال وکردار کے اعتبار سے نفس امارہ کا ایک غلام محض بن کر رہ جاتا ہے اور انسانی روح اپنی فطری آزادی اور ازلی حقوق سے محروم ہوجاتی ہے۔ یہی نہیں بلکہ دنیوی اعتبار سے بھی انسان نفس پرستیوں اور خودغرضیوں کے شکنجے میں دب کر کشمکش میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ آج کل جو یہ جنگ کی ہماہمی ہر طرف نظر آتی ہے وہ کسی اور بات کا نہیں اسی غلط نظری کا نتیجہ ہے۔

ایسی نازک صورت حال سے انسانوں کو بچانے اور اس کو قعر مذلت میں گر جانے سے محفوظ رکھنے کا ایک یہی علاج ہوسکتا تھا کہ کوئی مرد میدان کلمۂ لاالہ کو ازسرنو زندہ کردے اس میں ایک لازوال قوت بھردے۔ اور انسانوں کو اس غلامی کی جکڑ بند سے آزاد کردے۔ ایسا مرد میدان بس حسینؑ ہی تھا جو اس یزیدی ذہنیت کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے لئے خدا کا نام لے کر اُٹھ کھڑا ہوا۔

حسینؑ کو ولید حاکم کا پیغام ملاقات ملا۔ اس نے معاویہ کے انتقال کی خبر سنائی۔ آپ نے کلمۂ اِنَّا لِلّٰہِ جاری فرمایا۔ ولید نے پھر یزید کی بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا ''تم یہ تو پسند نہ کروگے کہ مجھ سے چپ چاپ اور پوشیدہ طور سے بیعت لو۔ جب اور اہل مدینہ کو اس غرض سے بلوانا مجھے بھی اطلاع کردینا۔'' اس پیغام کے بعد اور زیادہ سوچنے یا غور کرنے کا موقع نہ تھا۔ حسینؑ کے لئے یہ وقت بہت سخت تھا کہ انکار بیعت کو کس طرح ناقابل انکار کامیابی کے ساتھ بروئے کار لائیں۔ غلبہ کا مقابلہ غلبہ سے کیا جائے ظلم کا سر ظلم سے کچلا جائے یا قوت کا مقابلہ استقامت سے اور ظلم کا مقابلہ مظلومی سے کیا جائے۔

یہ ممکن تھا کہ جماعتیں فراہم کی جائیں، مددگار اکٹھا کئے جاتے، عرب کے گوشے گوشے میں یزید کی بداعمالی وبدکرداری کو طشت ازبام کرکے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس کی مخالفت پر آمادہ کیا جاتا اور آخرکار یزید کو شکست دے کر مسند خلافت قبضے میں کرلی جاتی لیکن یہ تو غلبے کو غلبے ہی سے ختم کرنا ہوتا جو دور وتسلسل کا مرادف بھی ہوتا اور جو اہل زمانہ کے شیوۂ فرسودہ کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ اور اس طور پر ممکن تھا کہ یہ عارضی کامیابی ابدی ناکامی کا پیش خیمہ بن جاتی لہٰذا

حسینؑ نے ایک دوسرا راستہ ہی اختیار کیا۔ مادّی ہتھیاروں کے بجائے روحانی حربوں کو جمع کیا۔ ظلم کا مقابلہ مظلومی سے کرنا طے کیا قوت جماعت کے مقابلے کے لئے استقامت و بے کسی کو بہیمیت کے مقابلے کے لئے انسانیت کو اور شیطنت کے مقابلے کے لئے حقانیت کو اپنا رفیق کار بنایا اور اس راہ حق میں قدم قدم پر جو گونا گوں مزاحم درپیش تھے ان میں سے کوئی ایک بھی حسینؑ کو ان کے ارادے سے باز نہ رکھ سکا۔ کوئی وحشت انھیں روک نہ سکی اور کوئی قوت انھیں اس صراط مستقیم سے ہٹا نہ سکی۔

سر داد نداد دست در دست یزید

یہ تھی حسینؑ کی حقیقی عظمت جس نے ان کو بڑوں بڑوں میں بھی ممتاز اور ابتدائے عالم سے قیام قیامت تک سرفراز کر دیا۔

(۱)

[۱] ''خداوندا! اگر تیرے سوا کوئی کسی کی پناہ لیتا ہے تو لے، میری جائے پناہ تو ہے اور صرف تو۔ کوئی شخص دوسرے کا سہارا اختیار کرتا ہے تو کرے، میرا سہارا تو تیری ذات ہے اور صرف تیری ذات۔ امتحان و ابتلا میں کسی فتنے سے دوچار ہونے یا گروہ شیاطین کی دراندازی سے تو میری حفاظت کر۔ یہاں تک کہ تو مجھے اپنی طرف پلٹائے اس طرح کہ نہ میرے دل میں فاسد خیالات ہوں نہ ابنائے زمانہ میری نسبت برے خیالات قائم کریں۔ نہ میں دوسروں کی طرف سے شک میں رہوں نہ میری طرف سے دوسروں کو شک ہو۔''

[۲] ''تو جو فیصلہ میرے بارے میں کر چکا ہے میں اس پر راضی ہوں جس راستے پر تو مجھے چلاتا ہے اسی پر چلتا ہوں۔ تو نے میرے دل میں جس چیز کا قصد وارد کیا ہے میں اسی کا قصد رکھتا ہوں۔ میں ان باتوں میں جو تیری رضامندی کا باعث ہوں ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اپنی جد و جہد میں تیرے احکام کی تعمیل میں کوئی کمی کرنا چاہتا ہوں، جو راستہ تو نے مجھے بتا دیا ہے اسی پر تیزی سے چلتا ہوں جو مقصد تو نے مجھ پر واضح کر دیا ہے اس کو برابر نظر میں رکھتا ہوں جن ذمہ داریوں کو تو نے میرے سپرد کر دیا ہے میں ان سے عہدہ برآ ہونے کی مسلسل کوشش کرتا ہوں۔ اب تو اپنی نگہبانی سے مجھ کو الگ نہ کر اور اپنی توجہ کے دائرے سے باہر نہ نکال اور مجھے درماندہ و عاجز نہ ہونے دے اور اس مقصد سے مجھے علیحدہ نہ کر جس کے واسطے میں تیری مشیت پوری کرانا چاہتا ہوں۔ میری رفتار کو بصیرت کا تابع رکھ اور میرے مسلک کو اپنے منشاء کے مطابق بنا میرے راستے کو صحیح منزل کی طرف موڑ۔ یہاں تک کہ مجھے میری آرزو اور اس محل تک پہنچا دے جس کا تو نے میرے لئے ارادہ کیا ہے اور مجھے اس مقام پر اُتار دے جہاں کے لئے تو نے مجھے خلق کیا ہے اور جس کی طرف تو نے میرا رُخ موڑا ہے۔'' (از منہج الدعوات سید ابن طاؤسؒ، مطبوعہ بمبئی)

(۲) اشعار

''خدا سے لو لگا اور مخلوق سے بے نیاز ہو جا اس کے بعد تجھے کسی جھوٹے سچے کی پروا نہ رہے گی۔ مانگنا ہے تو خدا ہی سے مانگ۔ خدا کے سوا کوئی رزق دینے والا نہیں۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہو کہ بندے اسے غنی کر دیں گے وہ درحقیقت خدا پر اعتماد نہیں رکھتا اور جو یہ سمجھتا ہے کہ لوگ اس کے لئے کافی ہیں وہ یقیناً پستی میں گرنے والا ہے۔'' ...... ''جب زمانے کے دانت تمہیں کاٹیں اور زمانہ تمہیں حوادث کا نشانہ بنائے تو مخلوق کی طرف کبھی نہ جھکو اور اس خدا کے علاوہ جو رزق بانٹنے والا ہے کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کرو کیونکہ اگر تم مشرق سے مغرب تک کا چکر لگاؤ گے تب بھی تم کو کوئی شخص ایسا نہ ملے گا۔ جو مقدر کو بنا یا بگاڑ سکتا ہو۔

نوٹ: یہ اشعار کچھ تغیرات کے ساتھ سید اختر علی صاحب تلہری کے ایک مضمون سے ماخوذ ہیں جو 'سرفراز' میں شائع ہوا تھا۔